فہرست عنوانات

اداریہ	ایڈیٹر	۴
پیغام	وزیر اعلیٰ اتر پردیش	۶
پیغام	وزیر شہری ترقیات و اقلیتی بہبود	۷
پیغام	وزیر صحت	۸
پیغام	مشیر اطلاعات	۹
پیغام	چیف سکریٹری	۱۰
پیغام	پرنسپل سکریٹری اطلاعات	۱۱
پیغام	ڈائرکٹر اطلاعات	۱۲
مرے لہو کے نصابوں کے درمیان ہے ماں		۱۳
برصغیر ہند کی مادر مہربان۔بی اماں	ڈاکٹر محمد اطہر مسعود خاں	۱۴
بی اماں کے دو لعل	" جمال نصرت	۱۹
بی اماں، علی برادران اور گاندھی جی	ایس ایم عباس	۲۳
بی اماں: حیات و خدمات	حکیم محمد ایوب تیاگی	۲۷
بی اماں کا کردار	وصی اللہ حسینی	۳۳
بی اماں اور بھگوان داس	نصرت ناہید	۳۶
بی اماں	صدف اقبال	۴۳
عظیم مجاہدۂ آزادی بی اماں	رعنا رحمت	۴۶
بی اماں کی شخصیت آزادی میں خدمات	ڈاکٹر خورشید جہاں	۴۹
مادر ہند (نظم)	شفیق احمد	۵۲
نایاب ہیں ہم		۵۳
شوکت علی	مولانا عبدالماجد دریا بادی	۵۴
دیوانۂ عشق وطن	ڈاکٹر شارب ردولوی	۵۶
مجاہد آزادی مولانا شوکت علی	وقار ناصری	۵۸

ماہنامہ نیا دور لکھنؤ

جلد (۶۹) شمارہ (۹)

پبلشر: آشوتوش نرنجن

upsoochna@gmail.com

ڈائرکٹر محکمۂ اطلاعات و رابطۂ عامہ، اتر پردیش

:- ایڈیٹوریل بورڈ :-

آر۔ ایس پانڈے، سید امجد حسین، غزال ضیغم، سہیل وحید

:- ایڈیٹر :-

ڈاکٹر وضاحت حسین رضوی

فون:- 9415007698

Ph. No. 2239132 Ext. 114

E.mail: dr.wazahatrizvi@gmail.com

جوائنٹ ایڈیٹر: سید خالد احمد

مطبوعہ: پرکاش پیکیجرس، گولہ گنج لکھنؤ

شائع کردہ: محکمۂ اطلاعات و رابطۂ عامہ، اتر پردیش

زر سالانہ: ایک سو دس روپئے

اس شمارے کی قیمت: پچاس ۵۰ روپئے

فی شمارہ: دس ۱۰ روپئے

ترسیل زر کا پتہ:

ڈائرکٹر انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز ڈپارٹمنٹ

اتر پردیش لکھنؤ 226001

Please send M.O/Bank Draft in favour of Director, Information & Public Relations Department U.P., Lucknow

خط و کتابت کا پتہ:

ایڈیٹر نیا دور، پوسٹ بکس نمبر ۱۴۶ لکھنؤ

بذریعہ رجسٹری: ایڈیٹر نیا دور

انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز ڈپارٹمنٹ

اتر پردیش لکھنؤ

کاتب و تزئین کار: امتیاز احمد

نیا دور کے مضامین میں جن خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے ضروری نہیں کہ حکومت اتر پردیش ان سے بہر حال متفق ہو۔

تحریک خلافت اور علی برادران — اخلاق احمد — ۲۰۵

علی برادران اور بھارت کی جنگ آزادی — محمد نسیم الدین ندوی — ۲۰۷

علی برادران تحریک خلافت کے آئینے میں — ڈاکٹر سلیم احمد — ۲۱۰

وہ اک صدا جو اُجالوں کی بازگشت میں ہے ۲۱۵

ملک و ملت کا عظیم محسن — نذر الحفیظ ندوی ازہری — ۲۱۶

خود اپنی راہ حقیقت کا رہنما ہوں میں — چودھری علی مبارک — ۲۱۹

قوم کو بخشا ہے تیری موت نے وہ بانکپن — پروفیسر خان محمد عاطف — ۲۲۲

بے مثل تھے جو نایاب ہیں وہ — احمد ابراہیم علوی — ۲۲۶

محمد علی جوہر کی صحافت چند پہلو — ڈاکٹر منور حسن کمال — ۲۳۲

مولانا محمد علی جوہر کی زندگی کے چند پہلو — علی احمد دانش — ۲۳۵

مولانا محمد علی اور جذبۂ حریت — ڈاکٹر شریف احمد قریشی — ۲۳۸

مولانا محمد علی جوہر — ڈاکٹر شعائر اللہ خاں — ۲۴۶

مولانا محمد علی مذہب اور سیاست — ڈاکٹر کشور سلطانہ — ۲۵۰

مولانا محمد علی جوہر کا داعیانہ کردار — ڈاکٹر عابد حسین حیدری — ۲۵۳

مولانا محمد علی جوہر کی شاعری اور واقعاتِ کربلا — ساجدہ قریشی — ۲۵۸

اردو صحافت کا جوہر محمد علی جوہر — عبدالحیٔ — ۲۶۱

مولانا محمد علی جوہر اور صحافت — معصوم عزیز کاظمی — ۲۶۴

ابلاغ و ترسیل ۲۶۹

یارانِ بے تکلف — شوکت علی — ۲۷۰

خطوط مولانا شوکت علی و محمد علی — ۲۷۳

خطبۂ صدارت — ۲۸۲

رئیس الاحرار محمد علی جوہر سے ایک ملاقات — ہاشم قدوائی — ۲۹۵

بزم ریاض — ۲۹۶

منظوم نذرانۂ عقیدت

قلندران حریت — رباب رشیدی — ۲۹۸

اک نیا ہم کو ہندوستاں دے گیا — ایچ ایم تابش رعدولوی — ۲۹۹

نذر عقیدت — تسلیم شاہجہانپوری — ۳۰۰

مولانا محمد علی جوہر — سعید لکھنوی — ۳۰۰

ان کو تاریخ فراموش نہیں کر سکتی — جاوید اکرم — ۳۰۱

مرد مجاہد — محمد یسلین شیدا — ۳۰۲

مولانا محمد علی جوہر (نظم) — ڈاکٹر معظم علی — ۳۰۳

یہ شمارہ آپ کو کیسا لگا ؟
اپنی رائے سے ضرور مطلع فرمائیں

CS CamScanner

ڈاکٹر عابد حسین حیدری
صدر شعبۂ اردو ایم جی ایم پی جی کالج سنبھل
9411097150

مولانا محمد علی جوہر کا داعیانہ کردار

مولانا محمد علی جوہر غیر منقسم ہندوستان کے ایسے بطل جلیل تھے جنھوں نے بیسویں صدی کے ابتدائی تین دہائیوں میں ملک کی تاریخ کو اپنی متحرک جدو جہد اپنے بے مثل صحافیانہ کارناموں، منفرد اسلوب خطابت، صداقت و بیباکی، بے خوفی، اللہ کے دین کی سربلندی کی تڑپ اور صدق گفتاری و اجتہادی زاویۂ نگاہ سے متاثر و متور کیا خصوصاً تحریک خلافت کے باب میں اور ان کے برادر بزرگ مولانا شوکت علی کا نام ہمیشہ جلی اور روشن الفاظ میں لکھا جاتا رہے گا۔

مولانا عبدالماجد دریا بادی نے ”محمد علی ذاتی ڈائری کے چند ورق“ میں چھندواڑہ کی نظربندی کے وقت مولانا محمد علی جوہر کا خاکہ کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔

”چھندواڑہ کیا ہوا۔ گویا ویرانہ میں کسی بزرگ کی درگاہ خلقت کے لیے زیارت گاہ اور محمد علی اور ان کے بھائی زندہ پیر محمد علی کا خاص مشغلہ اس وقت تلاوت قرآن مجید تھا۔ حافظہ ماشاءاللہ یوں بھی بہت قوی تھا۔ پھر قرآن کو جو بار بار پڑھا اور جھوم جھوم کر ذوق و شوق کے ساتھ پڑھا تو قرآن مجید ایک بڑی حد تک انھیں حفظ ہی ہوگیا اور محمد علی کہنا چاہیئے کہ نیم حافظ ہو ہی گئے یعنی جس طرح مبتدی کو حافظ کرنے کے دوران میں قرآن کچا پکا یاد رہتا ہے انھیں بھی برزبان سا ہوگیا تھا۔ اور اس دور زندگی کی یہ برکت اخیر عمر تک قائم رہی۔“

(محمد علی ذاتی ڈائری کے چند ورق: مولانا عبدالماجد دریابادی کاکوری آفسیٹ پریس لکھنؤ ۲۰۰۵ صفحہ ۳۶)

مولانا مزید لکھتے ہیں۔

”تلاوت قرآن اور حدیث و سیرت نبوی وغیرہ کے مطالعہ سے جو وقت بچتا وہ زائروں اور مہمانوں کی خاطر داری میں صرف ہوتا۔“

مولانا محمد علی جوہر بنیادی طور پر انگریزی کے انشاپرداز تھے یہی وجہ ہے کہ مولانا عبدالماجد دریاآبادی ان کی انگریزی دانی کے قائل تھے انھوں نے مولانا محمد علی جوہر کے ایمان کی پختگی، مذہب اسلام سے اپنی بیگانگی اور ان کی اردو خطوط نگاری کے تعلق سے لکھا ہے۔

”میری ہی درخواست پر محمد علی نے بھی لطیف نکتہ سنجیاں وہ جس طرح انگریزی میں کرتے اردو میں بھی کرنے لگے وہ اس وقت مذہب میں غرق ہو چکے تھے۔ میں سرے سے مذہب سے بیگانہ اور (معاذاللہ) اسلام کا دشمن ان کی ذات سے اپنی عقیدت و محبت جو کچھ تھی وہ محض ان کی ذہانت، ذکاوت، زور قلم اور انگریزی حسن انشاء کی بنیاد پر۔“

مولانا محمد علی جوہر کی اسلام اور مسلمانوں کے تئیں فکرمندی روز روشن کی طرح عیاں تھے۔ وہ ہر طرف مسلمانوں کی فلاح و بہبودی کے سرگرداں رہتے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی نے ۱۹۱۶ کے ایک خط میں لکھا۔

”آپ تو تاریخ کے جید عالم ہیں یہ جبریہ فرصت کا زمانہ آپ خالی کیوں جانے دیتے ہیں۔ کیوں نہ کوئی کتاب تاریخ پر لکھ ڈالئے۔“

مولانا محمد علی جوہر نے جواب دیا اور وہ جواب ایک داعیٔ اسلام ہی کا ہو سکتا ہے جس کا دل و دماغ قوم و ملت کے لیے وقف ہو مولانا فرماتے ہیں۔

”یہ وقت تاریخ نگاری کا نہیں تاریخ سازی کا ہے اغیار تاریخ بناتے ہیں اور آپ مجھے تاریخ لکھنے کی صلاح دے رہے ہیں۔ عالم اسلام کی بربادیوں نے دل و دماغ میں وہ سکون ہی کب قائم رہنے دیا ہے جو میں تصنیف و تالیف پر توجہ کر سکوں۔“

(محمد علی کی ذاتی ڈائری کے چند ورق ص ۳۸)

مولانا محمد علی جوہر کے خط کے درج بالا اقتباس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عالم اسلامی خصوصاً ترکی کی بربادیوں نے بیشک اس مسلم ہندی کا دل خون کر رکھا تھا اور گویا وہ کہہ رہے ہوں سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے۔ یہ مصرع مولانا محمد علی جوہر کے یہاں صرف فکر شاعر نہیں بلکہ عالم اسلامی کے حدود کی حد تک واقعہ تھی یعنی دنیا کے کسی گوشے میں پھانس کسی مسلمان کے جسم میں لگ گئی اور اس کی چبھن محمد علی جوہر کے دل میں ہونے لگتی۔

عالم اسلامی اور مسلمانوں کی بربادی پر وہ ہمیشہ نوحہ کناں رہے اور صرف نوحہ کناں ہی نہیں رہے بلکہ قلمی جہاد کے ساتھ ساتھ عملی جہاد کرتے ہوئے جیل کی ہوا بھی کھائی۔ مولانا مطالعہ کے بیحد شوقین تھے اور یہ مطالعہ صرف مذہبی کتابوں ہی تک نہ تھا بلکہ وہ مطالعہ عالمی سطح کا تھا۔ مولانا چونکہ ایک بیباک صحافی اور نادر الکلام شاعر تھے اس لیے اپنی فکر و نظر کے گوشوں کو نظم و نثر کا روپ دیتے اور کبھی کبھی تبصروں اور مراسلوں میں بھی بڑے بڑے کام کر جاتے تھے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی نے جب اپنی کتاب ”سائکالوجی آف لیڈر“ مولانا محمد علی جوہر کو بھیجی تو انھوں نے جہاں مولانا عبدالماجد دریابادی کے وسعت مطالعہ، غور و فکر اور قوتِ مشاہدہ کی داد دی وہیں ایک داعی ہونے کا ثبوت بھی فراہم کیا۔ انھوں نے ایک داعی کا فریضہ ادا کرتے ہوئے ضروری سمجھا کہ ”قرآن کے حکم تزکیۂ نفس“ کے ساتھ ساتھ تزکیہ عقیدہ بھی ضروری ہے جیسا کہ گذشتہ سطور میں مولانا عبدالماجد دریابادی کی تحریر سے وضاحت کی جا چکی ہے کہ وہ مذہب سے بیگانہ تھے۔ مولانا محمد علی جوہر نے اس کتاب کو پڑھنے کے بعد بڑے بے باکانہ انداز میں یہ رائے قائم کی۔

”آپ کے لب و لہجہ میں تو صاف عیسائی مشنریوں کی بو آرہی ہے جو یہ دکھانا چاہتے ہیں یا کم از کم پڑھنے والے کے ذہن کو اس جانب منتقل کر دیتے ہیں کہ محمدؐ (جن کے دین پر میں اور میرا سارا کنبہ قربان ہو) نعوذ باللہ ایک پیغمبر کاذب یا محض لسان تھے۔“

آگے چل کر مولانا محمد علی نے اپنی ذمے داری کو محسوس کرتے ہوئے اور مولانا عبدالماجد دریابادی کو مطالعہ کی دعوت دی اور کہا کہ اسلام دین عقل ہے اور آپ عقل کی کسوٹی پر پرکھ کر مطالعہ اور تجزیہ کیجئے وہ لکھتے ہیں۔

”اگر آپ کوئی سی بھی سیرت اٹھا کر دیکھ لیتے تو آپ کو رسول اللہ کے حضور میں ادب سے گفتگو کرنے کی آیات میں شانِ نزول مل جاتی ہے۔ اسی طرح سعد بن عبادہؓ کا وہ واقعہ کہ تقسیم غنیمت کے سلسلہ میں جب انصار کو مہاجرین سے شکایت پیدا ہوئی اور سعد نے رسول اللہ کے سامنے انصار کے جذبات کی ترجمانی کی اور رسول اللہ نے اس وقت تقریر فرمائی۔ آپ نے اس واقعہ کو بھی توڑ مروڑ ڈالا ہے۔“

داعی اسلام حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا داعیانہ کردار ہم سب کے لیے نمونۂ عمل ہے۔ مولانا محمد علی جوہر کی شخصیت میں وہ کردار کسی حد تک وراثت پیغمبر کے توسط سے اللہ نے ودیعت کر رکھا تھا۔ عشق رسول اور ان پر ایمان محمد علی جوہر کے خون میں رچا بسا تھا وہ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے والا شخص عبدالماجد دریابادی حضور کی سیرت و کردار سے صحیح طریقہ سے واقف نہ ہو۔ مولانا نے بحث قیادت میں ان کی غلط فہمی کا ازالہ کرنے کی کوشش کی تاکہ امین و صادق رسول کا کردار دنیا کے سامنے اپنے صحیح فریم میں آسکے۔ مولانا محمد علی جوہر نے

بحث قیادت کے حوالے سے مولانا عبدالماجد دریابادی کو بڑے خوبصورت طریقے سے حضور کی سیرت وسوانح سے متعارف کرایا۔

"آپ کی بحث قیادت پر مجموعی حیثیت سے مجھے یہ کہنا ہے کہ بہتر ہوتا اگر آپ نے قیادت کے اصلاحی پہلو کو صفات قیادت سے الگ رکھا ہوتا۔ پبلک زندگی میں کم و بیش ہم سب کچھ نہ کچھ تصنع سے کام لیتے ہیں بناوٹ ہم سب میں ہے اسی لیے ہمارے خدمت گار اوران سے بڑھ کر ہماری بیویاں ہمارے دھوکے میں نہیں آتیں لیکن ہمارے پیغمبر نے اپنی عمر کے پورے چالیس سال مکہ والوں کے درمیان ایک عام انسان کی حیثیت سے گزارے اور اس طویل مدت میں انھیں اپنی صداقت کے جانچنے کے ہر موقع حاصل رہے جب چالیس برس کے بعد انھیں "امین" کا لقب حاصل ہو گیا اور وہ اپنے مقدس فرائض کی ادائگی کے لیے تیار ہو گئے جب جاکر ان پر اللہ کی وحی نازل ہوئی اور جب بھی انھوں نے اسے قبول کیونکر کیا؟ غم کے ساتھ ڈرتے ڈرتے ہوئے، جھجکتے ہوئے اور سب سے پہلے ان پر ایمان کون لایا؟ سب سے پہلے انکی چہیتی بیوی، پھر کمسن چچازاد بھائی، پھر ان کا عزیز ترین وقدیم ترین دوست۔"

مولانا محمد علی جوہر نے رسول خدا کو سب سے بہتر قائد اس لیے مانا کہ انھیں اس وقت کے سماج نے امین و صادق تسلیم کیا تھا دوسری چیز جو سب سے اہم ہے کہ حضور پر ایمان لانے والے سب سے پہلے ان کے گھر والے یعنی سب سے قریب ترین لوگ تھے۔ اسی لیے جب قائد برحق حضور رحمت نے بنی نجران کے عیسائیوں کو اسلام کی دعوت دی اور وہ لوگ اسلام کی حقانیت کو جانتے ہوئے اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے تو قرآن کریم کی آیت نے حضور کو متوجہ کیا۔ فقل تعالو ندع ابنائنا وابناءکم و انفسنا وانفسکم. ثم نبتهل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ اور حکم خداوندی سے رسول نے سچوں کا جو چھوٹا سا کارواں بنایا۔ وہ ولی خدا غالب علی کل غالب حضرت علی بن ابی طالب، سیدۃ النساء العالمین بی بی زہرا، سرداران جوانان جنت حضرات حسنین علیہم السلام اور خود رحمت عالم کی ذات بابرکت جوان سچوں کے ساتھ داعی بن کر قبیلۂ نجران پہنچی۔ یہ سچوں کا قافلہ ابھی میدان میں پہنچا بھی نہ تھا کہ عیسائی راہب نے اپنی قوم کو پرکھ کا طریقہ بتایا کہ مرحلہ بہت سخت ہے۔ اگر داعی اسلام اپنے گھر والوں کے ساتھ آرہا ہے تو سچا ہے اور غیروں کو لے کر آرہا ہے تو جھوٹا ہے تاریخ گواہ ہے داعی اسلام نے اپنی حکمت عملی سے عیسائی مشنری کو شکست فاش دی اور قرآن کی یہ آیت آج تک پکار کر کہہ رہی ہے کہ داعئ اسلام بھی سچا ہے اور اس کی سیرت پر عمل پیرا لوگ بھی سچے ہیں۔

اسلام کی ابتدائی تاریخ یا قرآن کریم کی آیت مباہلہ حضور کی سیرت مکمل نمونۂ عمل ہے۔ حضور کی ذات خلوت اور جلوت دونوں صورتوں میں رسولؐ ہے اور گھر والوں کے لیے ہر شخص کی زندگی باہر والوں سے مختلف ہوتی ہے لیکن ان دونوں واقعات نے داعئ اسلام کی زندگی کی یک رنگی کو واضح کیا ہے۔ مولانا محمد علی جوہر لکھتے ہیں۔

"فریب باہر والوں کو دیا جاسکتا ہے اور تصنع اور ابن الوقتی سے ان کے سامنے کام لیا جاسکتا ہے یہ حال تھا کہ تصدیق کرنے والے اور تسلی دینے والے وہی تھے جو خلوت کے محرمان راز تھے۔"

جیسا کہ گذشتہ سطور میں عرض کیا جاچکا ہے کہ مولانا محمد علی جوہر اسلام اور مسلمانوں سے بیحد لگاؤ رکھتے تھے۔ وہ جہاں نثر میں اپنا داعیانہ کردار ادا کر رہے تھے وہیں نظم میں بھی اپنا فریضہ انجام دینے میں پیچھے نہیں تھے۔ مولانا محمد علی جوہر کا خیال ہے کہ اسلام کے مطالعہ کے لیے حضور کی قبل ہجرت کی زندگی کا مطالعہ ضروری ہے کیونکہ داعئ حق نے اپنی حقانیت، صداقت اور امانت کا کلمہ اسی دور میں پڑھوایا اور خاص کر ایک داعی کے سامنے کیا کیا مصائب اور پریشانیاں آسکتی ہیں حضور کی زندگی کا یہ پہلو بہت بڑا نمونہ ہے۔ اسی نظریہ کے تحت مولانا نے شاعری کا سہارا لیا۔

اور اس کے اور لوگوں کو پیغام پہنچایا یہاں پر ان کی ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں جو میرے الفاظ کی تصدیق کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔

اس طرح سے جینے میں بھی مرنے کا مزہ ہے
قسمت کا یہی ہے کہ ابھی راہِ قضا دیکھ
اللہ کے بانکوں کا بھی ہے رنگ نرالا
اس سادگی پہ شوخیِ خونِ شہداء دیکھ
دشتِ رہِ غربت میں اکیلا تو نہیں تو
بطحا کے مہاجر کا تو نقشِ کفِ پا دیکھ
ہے سنتِ اربابِ وفا صبر و توکل
چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامانِ خدا دیکھ
تو طیرِ ابابیل سے ہرگز نہیں کمزور
بیچارگی پہ اپنی نہ جا شانِ خدا دیکھ

راقم کا خیال ہے کہ مولانا محمد علی جوہر کے درج بالا اشعار ہجرت سے قبل حضور پر نور اور ان کے جاں نثار صحابہ کی دعوت و عزیمت کی کہانی ہیں لیکن انھوں نے مسلمانوں کو متوجہ کیا کہ تم نے قرآن کریم کے واقعۂ فیل کو تو پڑھا ہوگا کہ شانِ خداوندی اور قدرتِ ایزدی نے اس کمزور پرندہ کے ذریعہ پر غرور فیل کے لشکر کو کس طرح بھوسہ بنا دیا۔ دوسری چیز جس کی طرف مولانا نے اشارہ کیا ہے وہ ہے اربابِ وفا کی سنت جو بحکمِ خداوندی واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ ہے اس لیے کہ اِنَّ اللّٰہَ مع الصابرین پر عمل پیرا ہو کر داعیٔ حق کی سنت پر چلتے ہوئے صبر و توکل کو اپنا شعار بناؤ اور دیکھو کسی بھی صورت دامانِ خدا ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہئے۔

مولانا محمد علی جوہر نے اپنی داعیانہ زندگی میں ہجرت کے ساتھ ساتھ واقعۂ کربلا کو اپنا مرکز بنایا۔ ان کا خیال ہے کہ جب بھی حق و باطل میں صف آرائی ہوتی ہے تو کربلا وجود میں آتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ انسان کو رزم گاہِ حیات میں اس سرزمین پر ہر آن معرکۂ کربلا سے نبرد آزما ہونا ہے ہر دن ہمارے لیے عاشورہ کی طرح جہاد کا دن ہے۔ امام حسین کربلا کے میدان میں عاشورہ کے دن جہاد کر کے ہمیں درس دیا ہے کہ ظاہری اعتبار سے چاہے تم کتنے کمزور ہو تعداد میں جتنے کم ہو لیکن یاد رکھو جیت ہمیشہ حق کی ہوتی ہے۔ حسین قتل ہو کر آج بھی زندہ باد ہے اور یزید جیت کر بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مردہ باد ہو گیا۔ مولانا کے اسی تصورِ عقیدہ نے ان سے وہ لافانی غزل کہلوادی جس کے دو شعر آفاقی ہو گئے اور مولانا کی شناخت بھی بن گئے۔

دورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد
ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد
قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اب مولانا محمد علی کی مشہور زمانہ غزل جو غالب کی زمین۔ مارا دیارِ غیر میں مجھ کو وطن سے دور کے چند اشعار ذیل میں پیش کئے جا رہے ہیں جن سے ان کے داعیانہ کردار پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

یادِ وطن نہ آئے ہمیں کیوں وطن سے دور
جاتی نہیں ہے بوئے چمن کیا چمن سے دور
کچھ بھی وہاں نہ خنجرِ قاتل کا بس چلا
روحِ شہید رہتی ہے نعش و کفن سے دور
تقویٰ کے بعد خوف کہاں حزن پھر کہاں
عالم ہی اک جدا ہے وہ رنج و محن سے دور
ہے بعد کربلا سے بھی، قربِ یزید بھی
اور چاہتے یہ ہیں کہ نہ ہو پنجتن سے دور
اللہ رے نورِ چشمِ محبت کی جستجو
نکلا اسیرِ مصر نہ کچھ بھی وطن سے دور
مسلم اجل سے دور نہیں روزِ کربلا
رہتا نہیں برات میں دولہا دلہن سے دور

ناچیز کے خیال سے یہ اشعار مولانا کے داعیانہ کردار پر نہ صرف روشنی ڈالتے ہیں بلکہ جگہ جگہ کربلا کا حوالہ دے کر مولانا مسلمانوں کو متوجہ کر رہے ہیں کہ فرزندِ رسول کے سامنے کربلا کے میدان میں بھی اپنے آپ کو مسلمان ہی کہنے والے لوگ تھے لیکن امام

حسین نے اپنے تقویٰ اور ایثار سے باطل فکر کو شکست دی جو اسلام کے نام پر لوگوں کو گمراہ کر رہی تھی۔ مولانا کا عقیدہ ہے کہ قرب یزید کے ساتھ پنجتن کا ساتھ کیسے ممکن ہے۔ یہاں پر پنجتن کا حوالہ دیکر مولانا نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ امام حسین پنجتن کے آخری فرد تھے۔ کربلا میں امام حسین نے آکر یہ بتایا کہ اسلام کی بقا کی یہ جنگ میری جنگ نہیں ہے بلکہ پنجتن کی تمام فرد اس میں شامل ہیں اب کربلا حق و باطل کا استعارہ ہے اس لیے اس سے سبق لے کر ہمیں اس جنگ کو جیتنا ہے جس سے امت مسلمہ آج دوچار ہے اس لیے کہ کربلا امید کا نام ہے۔ کربلا صبر کا نام ہے کربلا ایثار و فدا کاری کا نام ہے۔ کربلا شہادت امام حسین سے ظہور امام مہدی تک ہر روز جاری و ساری رہے گی اس لیے اگر ہمیں کامیاب ہونا ہے تو ہمیں حضور کی سیرت اور امام حسین کے صبر و شجاعت اور اولوالعزمی کو اپنا شعار بنانا چاہئیے میرے ان جملوں کی تصدیق مولانا کے ذیل کے اشعار کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔

سینہ ہمارا فگار دیکھئے کب تک رہے
چشم یہ خون نابہ بار دیکھئے کب تک رہے
عشق سو وہ بھی ترا، صبر طلب ہے بہت
صبر ہمارا شعار دیکھئے کب تک رہے
ہم نے یہ مانا کہ یاس کفر سے کمتر نہیں
پھر بھی ترا انتظار دیکھئے کب تک رہے
ماتم شبیر ہے آمد مہدی تلک
قوم ابھی سوگوار دیکھئے کب تک رہے

آج بھی مولانا کا یہ داعیانہ کردار ہمیں آواز دے رہا ہے اے مسلمانوں ناامیدی کفر ہے۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقہ بندی اور گروہ بندی ترک کر کے ایک ہو جاؤ اس لیے کہ آپ کی سوگواری اسی وقت دور ہوگی جب آپ سیرت محمدی پر عمل پیرا ہو کر ایک اچھے اور سچے مسلمان بنیں۔ اس آرزو کو انھوں نے بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کا لہجہ مناجات جیسا ہے۔

ہیں ہوں مجبور اللہ تو مجبور نہیں   تجھ سے میں دور سہی وہ تو مگر دور نہیں
امتحاں سخت سہی پر دل مومن ہی وہ کیا   جو ہر اک حال میں امید سے معمور نہیں

یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمد علی جوہر کی رسول برحق داعئ اسلام نبئ رحمت کے تئیں عقیدت و محبت سے مملو چند نعتیہ اشعار بھی پیش کر دئے جائیں تاکہ آپ سے مولانا کا عشق بھی آشکار ہو جائے۔

ہے نام مصطفی کی یہ برکت کہ پھر خدا
یوں جڑ جا رہا ہے محمد کے دین کی
تیرے کرم نے اور بھی گستاخ کر دیا
اک عرض اور ہے ابھی اس کمترین کی
اک گھر ترا یہاں بھی ہے اس کے باب میں
کب ہوگی لامکاں سے مشیت مکین کی
اس آستان پاک پہ گھسنا ہے چل کے سر
سجدوں سے اور بڑھتی ہے رفعت جبین کی
تینوں حرم ہیں اس کے جو ہے لاشریک لہ
ترکیب ہے درست یہی ایک تین کی

آخری شعر میں مولانا محمد علی جوہر نے تینوں حرم سے مراد مکہ، مدینہ اور بیت المقدس ہے تینوں حرم سے انھیں بے انتہا عقیدت تھی اور اسی عقیدت کے تحت انھوں نے خلافت تحریک میں سرگرم رول ادا کیا۔ آج بھی تیسرا حرم بیت المقدس پر اسرائیل کا غاصبانہ قبضہ ہے اور فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ہے عالم عرب خاموش تماشائی ہی نہیں بلکہ ظالم و غاصب اسرائیل کا مددگار بنا ہوا ہے مصر میں بہار عرب خزاں میں تبدیل ہو گئی ہے اور مولانا محمد علی جوہر بیت المقدس میں اپنی مرقد میں ہیں اور آپ کو آواز دے رہے ہیں کہ عالم اسلام کو آج ایک نئی کربلا درکار ہے اس لیے کہ:

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

◇◇